Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ناول حسن کی صورت حال۔ خالی۔ جگہیں۔ پر۔ کرو میں بیانیے اور اسلوب کے تجربات

ڈاکٹر نعیمہ بی بی[1]

Abstract:

Novel Hassan ki sort e hall khali jaghen pur karo is the third novel of great fiction writer Mirza Ather Baig. The language used in this novel is new and unexpected for readers of Urdu fiction Because Mirza Athar Baig has introduced a new style in it. In addition to the style, new techniques and idioms have been used in this novel, Who have made this novel unique from other Contemporary novels . This article analyze at the experiences of style and narrative in this novel.

Keywords:

کسی بھی ناول میں بیانیے کو دیکھنے کے لیے ان تصورات، نظریات کو بھی سمجھنا ضروری ہے جن سے ناول حمایت لیتا ہے۔ مثلاً مصنف کے تصورات کیا ہیں؟ وہ معاشرے کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟ اس کے نظریات کیا ہیں؟ اس نے کس عہد کی عکاسی کی ہے؟ ناول کا زمان و مکان کیا ہے؟ ناول حسن کی صورت حال۔ خالی۔ جگہیں۔ پر۔ کرو ایک ایسے عہد کی عکاسی ہے جب پاکستان میں آمریت کا عہد تھا۔ جیسا کہ خود مصنف نے کہا کہ یہ ناول 1980ء کے بعد کے پاکستانی معاشرے کی صورت حال ہے۔ تو اسے ایک بات تو واضح ہوئی کہ اس ناول کا زمانی عرصہ یہ ہے۔ دوسری بات مکان کی ہے کہ اگر یہ پاکستانی معاشرے کی صورت حال ہے تو کس شہر کو موضوع بنایا گیا ہے؟ اگرچہ مصنف نے ناول میں کسی شہر کا نام نہیں لیا لیکن بہت سی مثالوں سے پتا چلتا ہے کہ اس ناول میں مصنف نے سیاسی رنگ میں رنگے ہوئے لاہور کا تذکرہ ہے۔ اس لیے کہ لاہور ہی وہ شہر ہے جو اس زمانے میں فلمی صنعت کا مرکز تھا۔ اسی شہر میں سرکس کے میلے لگتے تھے، کرداروں کی زبان سے بھی لگتا ہے کہ یہ لاہور شہر ہی ہے۔ خود مصنف نے تمام عمر اسی شہر میں گزاری ہے۔ نیز مصنف کے پہلے دونوں ناولوں کا موضوع بھی لاہور ہے۔ لاہور آئیڈیالوجیکل اعتبار سے وہ خطہ ہے جس میں وہ بہت کچھ کروانے کی خواہش رکھتا ہے۔ یہ شہر کچھ خفیہ کاموں کا مرکز بھی رہا ہے۔ جیسے گول میز کی کہانی میں سرجن سرنج کا کلینک۔ جہاں مخالفین کی چیر پھاڑ کی جاتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بہت سے مفادات اور نظریات خوفناک انداز میں کارفرما ہیں۔ مصنف صرف لاہور کا فوٹو گرافک نقشہ پیش نہیں کر رہا بلکہ وہ جیتے جاگتے لاہور کی زندہ منظر کشی کرتا ہے۔ لاہور کے شاہراہ، چوک، فلمی مناظر، کباڑ کی دکان، پودوں کی نرسری، لوگوں کا ہجوم، پارکوں میں موج مستی کرتے بچے، بوڑھے، جوان، پارکوں میں مختلف اشیا بیچنے والوں کا ہجوم، سرکس کے مناظر، موت کا کنواں، دوسروں والا کھوتا، مزاروں پر ہونے والی قوالیاں، مزاروں سے منسوب روایتیں، اور پھر سب سے بڑھ کر حسن کی داستان سب ناول میں اس لاہور کی منظر کشی ہے جس میں آج کا عہد زندہ ہے۔

ناول حسن کی صورت حال۔ خالی۔ جگہیں۔ پر۔ کرو کی کہانی "اچٹتے خوف کی داستان" سے شروع ہوتی ہے جو ناول کے مرکزی کردار حسن رضا ظہیر سے متعلق ہے۔ ناول کا پہلا باب حسن رضا ظہیر کی زندگی کی مکمل کہانی بیان کرتا ہے۔ یہاں تک کہ موت تک کے واقعات اس باب میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ مگر وہ کہانی جو مکمل نہیں ہے جس نے آگے چل کر پورا ناول بننا ہے اور یوں ناول کی یہ کہانی آگے بڑھتی ہے۔

مصنف نے کہانی کا بیانیہ ایسے تشکیل دیا ہے کہ قاری شش و پنج میں مبتلا ہو جاتا ہے مثلاً حسن رضا ظہیر کے واقعات کا تذکرہ کرنے سے پہلے راوی حسن رضا ظہیر کی زندگی کے ساتھ چلنے کا کہتے ہیں مگر اس کے بارے میں پیش کی گئی روایات درست ہیں یا نہیں، کسی کو معلوم نہیں۔ یہ واقعات بھی جن کی خالی جگہیں حسن نے پر کی ہیں، وہ واقعات بھی راوی نے فرض کیے ہیں۔ شاید حسن رضا ظہیر کو زندگی میں ایسے واقعات پیش ہی نہ آئے ہوں۔ شاید یہ سب راوی کے تخیل کی پیداوار ہو اور اس نے خود سے یہ واقعات بیان کر دیے ہوں۔

---

[1] ٹیچنگ اینڈ ریسرچ ایسوسی ایٹ بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ناول حسن کی صورت حال۔ خالی۔ جگہیں۔ پر۔ کرو میں مرزا اطہر بیگ نے اس پوری تکنیک کو کہانی اور پلاٹ میں پوری طرح استعمال کیا ہے۔ قاری کو حیران بھی کیا ہے، یعنی چونکایا ہے۔ ناقابل یقین واقعات خاص طور پر جبار جمع کرنے والے کے عجیب و غریب ذخائر۔ خلاف توقع واقعات جیسے حسن کی موت وغیرہ اور واقعات کی ترتیب کو ایسے رکھا ہے کہ کہانی حسن کی موت کے بعد بھی چلتی ہے اور بہت سے واقعات ناول کے آخر میں کھل کے سامنے آتے ہیں۔ اس کے علاوہ مصنف نے خرد افروزی کے مقالے کے پیرائے میں اپنے نظریات کی ترویج بھی کی ہے۔

ناول حسن کی صورت حال۔ خالی۔ جگہیں۔ پر۔ کرو میں بہت سی جگہیں ایسی ہیں جہاں معلومات حذف کرنے کی تکنیک سے کام لے کر بیانیہ میں شدت پیدا کی گئی ہے۔ جیسے کسی واقعے کا پہلے ایک جگہ مختصر تذکرہ کر کے قاری کو تجسس میں مبتلا کیا گیا اور پھر مصنف نے واقعے کی تفصیل بتائی ہے؟ ناول کے مرکزی کردار حسن کی کہانی ایسے واقعات سے بھرپور ہے۔ ناول کے آخری باب تک حسن کی کہانی کی گرہیں کھلتی رہتی ہیں۔ اسی طرح آخر تک معلوم نہیں ہو پاتا کہ جبار جمع کرنے والا گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں کوئی ریکارڈ جمع کرتا ہے یا نہیں؟ سیفی اور انیلا کی "یہ فلم نہیں بن سکتی" آخر تک بنتی ہی رہتی ہے جس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ آخر میں ایک نئی انیلا اور نیا سیفی دوبارہ سے یہ فلم بناتے نظر آتے ہیں۔

اس تکنیک کا سب سے کامیاب استعمال گول میز کی کہانی میں ہوا ہے۔ جہاں اس میز کا تذکرہ کر کے پھر اس کی تفصیل مہیا کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ مصنف نے ناول کو اکیس ابواب میں تقسیم کر کے ہر باب میں داستانوں کی طرح کہانی در کہانی پیش کر کے اپنے بیانیے کو طول دیا ہے۔ دراصل کہانی در کہانی کی تکنیک ناول میں ابہام، پیچیدگی اور تجسس پیدا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بیانیہ کو طویل کرنے کا طریقہ بھی ہے۔ دوسری ایک اہم بات یہ ہے کہ کہانی میں مصنف نے خود موجود ہو کر بہت سے واقعات کے ذریعے اپنے نظریے کو بیان کی کوشش کی ہے۔

ناول حسن کی صورت حال۔ خالی۔ جگہیں۔ پر۔ کرو میں موضوعات کی اتنی وسعت ہے کہ مصنف نے اپنے بیانیے کو پیش کرنے کے لیے ان موضوعات و واقعات کو جاندار اسلوبیاتی پیرائے میں پیش کیا ہے۔ ناول کے موضوعات میں معاشرے کا عامیانہ پن، جھوٹ، مکر و فریب، لوٹ کھسوٹ، دوسروں کا کام اپنے نام کر لینا، استحصال، تشدد، دبے کچلے مسائل کی عکاسی (خاص طور پر جو سرکس والوں کے مسائل کی عکاسی کی گئی ہے)، جنسی ناآسودگی کے مسائل (سیٹھ صفدر سلطان جیسا طبقہ جو بلی جیسی عورتوں کی خدمات لیتا ہے)۔ کھوئی ہوئی شناخت کی بازیافت (پروفیسر صفدر سلطان کا خرد افروزی کا مقالہ اور مسلمانوں کے کارناموں کا تذکرہ)، جبار کا ورلڈ ریکارڈ بنانے کا جنون، ناول کے بیانیے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان موضوعات نے نہ صرف ناول کو وسعت بخشی ہے بلکہ مصنف کے نظریات کو سمجھنے میں بھی معاون ہیں۔

مرزا اطہر بیگ کا اسلوب ان سب حوالوں سے بہت جاندار ہے کہ انھوں نے تقلید کے بجائے جدت کا راستہ اپناتے ہوئے اپنا اسلوب خود تخلیق کیا ہے۔ ناول میں اسلوب کی اہمیت اس لحاظ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ قصہ خواہ کسی شکل میں بیان کیا جائے اس کی جان دل کش اور دل نشین طرز بیان ہی ہوتا ہے اسی وجہ سے قاری اس کے مطالعے میں دلچسپی بھی لیتا ہے۔ اچھی سے اچھی کہانی بھی قاری کو اس وقت متوجہ نہیں کر سکتی۔ جب تک اسے دلچسپ، پر تکلف اور مؤثر انداز کے ساتھ قاری کے سامنے پیش نہ کیا جائے۔ اس لیے مرزا اطہر بیگ نے بھی ناول حسن کی صورت حال۔ خالی۔ جگہیں۔ پر۔ کرو میں کہانی کو دلچسپ اسلوب سے پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں مرزا اطہر بیگ نے نئے تجربات بھی کیے ہیں۔

ناول حسن کی صورت حال۔ خالی۔ جگہیں۔ پر۔ کرو میں مرزا اطہر بیگ کا اسلوب یک رخا اور سادہ نہیں ہے بلکہ کثیر الجہت ہے۔ انھوں نے متن میں بار بار ادارت کے ذریعے مداخلت کر کے کہانی میں جدت پیدا کی ہے۔ اس مداخلت کے لیے انھوں نے جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ خاصا پیچیدہ ہے۔ اس کے باوجود ان کا اسلوب مشکل نہیں بلکہ دلچسپ بن گیا ہے۔ اس ناول میں استعمال ہونے والی زبان اردو فکشن پڑھنے والوں کے لیے نئی اور غیر متوقع ہے اس لیے کہ مرزا اطہر بیگ نے اس میں ایک نیا

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اسلوب متعارف کروایا ہے۔اس ناول میں زبان کی چاشنی کے ساتھ ساتھ نئی نئی تراکیب اور محاورات بھی استعمال کیے گئے ہیں جنھوں نے اس ناول کو اپنے عہد کے دوسرے ناولوں سے منفرد کیا ہے

مرزااطہر بیگ نے اس ناول میں جو زبان استعمال کی ہے وہ نہ صرف بھرپور طور پر فلمی دنیااور سرکس کے مناظر کی عکاسی کرتی ہے بلکہ کرداروں کی کیفیات، ان کی ذہنی حالت (خاص طور پر حسن رضا ظہیر کی) ان کے خیالات و تصورات (جیسے پروفیسر صفدر سلطان کے تصورات) کا پوری طرح ابلاغ کرتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ناول میں کئی ان کہی باتیں رہ بھی جاتی ہیں جیسے جبار اور ارشاد کباڑیے کا گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ بنانے کا جنون، باڈی بلڈر سعید کمال کا جنون یا پھر حسن رضا ظہیر کی غیر متوقع موت۔ان سب کو خفیہ رکھا گیا ہے۔یہ ان کہی قاری کے ذہن میں ایک تجسس پیدا کرتی ہے۔اس طرح قاری زبان کے پیچھے مخفی معنی کو سمجھنے کی سعی کرتا رہتا ہے۔اس ناول نے اردو ناول میں برتی جانے والی تخلیقی زبان کو نئے امکانات سے روشناس کروایا ہے۔ناول میں استعمال ہونے والی زبان کو مکمل سمجھنے کے لیے فرہنگ کا ہونا بھی ضروری ہے۔

مرزااطہر بیگ کی زبان کو نیا پن اور جدت ان کے منفرد تخیل کے ساتھ ان کے کرداروں کے مختلف نقطہ ہائے نظر نے بھی دیا ہے۔ان کے کردار جسمانی خصوصیات سے زیادہ اپنے کام اور زبان سے پہچانے جاتے ہیں جیسے جبار کا اعلان کرنا اسے مجمعے میں سب سے منفرد بناتا ہے۔سیفی کی گھسیٹا کاری اسے باقی فلمی یونٹ سے الگ کرتی ہے ۔ارشاد کباڑیے کے شیکسپیئر کے پورے پورے اقوال سنانا ایک الگ اور منفرد اسلوب ہے۔اس کے علاوہ ان کے مکالمے خاص طور پر پروفیسر صفدر سلطان اور اس کے شاگرد سعید کمال کے خرد افروزی کے معاملے پر اختلافی مباحثے، جان اور ارشاد کباڑیے کے شیکسپیئر پر مکالمے، دو دیہاتی افراد کی بابا بلیک شیپ نظم پر تبصرہ اور ارشاد کباڑیے کی علمی زبان اس ناول کو ندرت بخشتی ہے۔سیفی کی گھسیٹا کاری اور فلمی زبان لب و لہجے میں بلا کی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ طنز، استہزا، مزاح سب ہی مل جاتا ہے۔یوں ناول کی زبان میں ایک جدت اور ندرت آجاتی ہے۔

مرزااطہر بیگ کے اسلوب میں وقت اور تاریخ دونوں سمٹے نظر آتے ہیں۔اس لیے تو ان کا ناول ماضی، اور حال میں مسلسل چلتا رہتا ہے۔جیسا کہ ناول کی کہانی کے واقعات کی ترتیب سے پتا چلتا ہے اور پھر مختلف واقعات اور تحریکوں کی تاریخ خاص طور پر سرئیلزم اور ڈاڈاازم وغیرہ۔

ناول کے راوی بار بار بدلتے رہتے ہیں کبھی کبھی راوی متکلم کے صیغے میں بات کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے ناول میں کہانی پیش کرنے کا اختیار کرداروں کو بھی دیا ہے۔مثلاً ڈرائیور نور خان اور سیفی (رائیٹر) کو۔اس طرح انھوں نے ناول کے اسلوب میں نئے تجربات کیے ہیں۔مصنف خود ناول میں بیانیہ کو آگے بڑھانے کے لیے کہانی میں اس طرح کے جملے بولتا ہے

"آخری منظر نامہ واضح طور پر اس کی موت کی طرف اشارہ کرتا نظر آتا ہے

اگرچہ مصنف بوجوہ اس بارے میں کوئی آخری فیصلہ دینے سے بھی گریز کرتا

ہے۔" 1

"ہم حسن کے ساتھ ہی چلتے رہیں گے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ "دنیا

میں براہ راست مداخلت "نہ کرنے کی صورت حال وضاحت طلب ہے"۔2

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

مصنف خود کردار کے طور پر سامنے آنے کے بجائے اپنا بیانیہ ظاہر کرنے کے لیے ناول میں موجود رہتا ہے اور بہت سے واقعات و کرداروں کی تفصیل خود فراہم کرتا ہے۔ مثلاً

"سمجھا جا سکتا ہے کہ گویا ہم حسن کے بھوت مصنف ہیں۔ اصل صورت حال

یہ ہے کہ ہمیں نہ صرف حسن کا بھوت مصنف بلکہ حسن کا بھوت بھی سمجھا جا

سکتا ہے۔ اس طرح ہمارے مدیر کے مداخلتی اختیارات تو برقرار رہیں گے ہی

لیکن ساتھ ہی ایک عالم کل قادر کل مصنف کے لامحدود امکانات بھی ہم پر کھل

جائیں گے اور جو کچھ ہم جان لیں گے حسن نہیں جان سکتا۔"3

مصنف نے اپنے بیانیے کو پیش کرنے کے لیے سب سے اہم طریقہ قوت ترغیب کو استعمال کیا ہے۔ ناول کا پہلا جملہ ہی قوت ترغیب سے مالا مال ہے۔ مثلاً

"حسن رضا ظہیر کو وہ واقعہ عمر بھر کی "اچٹتی منظر بینی" کے بعد پیش آیا۔" 4

اس کے بعد قاری متجسس ہو جاتا ہے کہ وہ واقعہ کیا ہے؟ یوں وہ کہانی کے طریقہ کار سے متاثر ہو کر کہانی پڑھنے لگتا ہے۔ قوت ترغیب کے ذریعے ناول نگار خود کو کہانی میں ایسے شامل کرتا ہے کہ قاری کے لیے ناول نگار کی موجودگی لازمی ہو جاتی ہے۔ ناول نگار اور کہانی دونوں آپس میں ایسے مدغم ہو جاتے ہیں کہ انھیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ناول حسن کی صورت حال۔ خالی۔ جگہیں۔ پر۔ کرو میں بھی مصنف اپنے آپ کو ایسے پیش کرتا ہے کہ کہانی بیانیے کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی ۔ مرزا اطہر بیگ نے اس ناول کو پیش کرنے کے لیے ایسے متکلم راوی کو چنا ہے جو اپنا تعارف نہیں کرواتا لیکن کہانی کے لیے لازمی ہے کیونکہ کہانی اسی کے ذریعے آگے بڑھتی ہے۔ مثلاً وہ حسن رضا ظہیر کی کہانی بیان کرتے ہیں۔ پرتگالی شراب کی بوتل کی کہانی، سلیپنگ بیگ کی کہانی، کباڑ کمپلیکس کی کہانی، حکمت بہزاد کی کہانی، سرئیلسٹ تحریک کی داستان، گول میز کی کہانی، پروفیسر صفدر سلطان اور ان کے شاگرد سعید کمال کی کہانی، اے ایس پی سعید کمال اور اس کی منگیتر انیلا بلال کی کہانی اور ان کی منگنی کی انگوٹھی کا قصہ، بابا بلیک شیپ کے مترجم سعید کمال کا قصہ، گول میز کی کہانی سب راوی نے ہی بیان کی ہیں۔ ان کا یہ جملہ کہ یہ نہیں جانتے لیکن "ہم جانتے ہیں"۔ اگرچہ اس بات کو واضح نہیں کرتا کہ کہانی کا راوی کون ہے؟ اور اس کا مقام کیا ہے؟ لیکن وہ ناول کے بیانے سے باہر کسی اور ہی مقام پر فائز ہے۔ جو ہر چیز کے بارے میں جانتا ہے اور اپنے بیانیے کو جیسے چاہتا ہے موڑ دیتا ہے نیز اسے اپنے نظریات کو پیش کرنے میں بھی آسانی رہتی ہے۔ اس لیے قاری راوی کو جاننے کے بجائے راوی کے بیانیے میں دلچسپی رکھتا ہے۔ آگے چل کر وہ مزید لکھتے ہیں کہ

"اس بے ہنگم خود ساختہ ترکیب کا الزام اپنے سر لیتے ہوئے اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہیں کہ حسن کو

"اچٹتی منظر بینی" کی عادت کب، کیوں اور کیسے پڑی؟؟ تو اس کے لیے ہمیں حسن کی زندگی میں

کچھ دیر اس کے ساتھ چلنا ہو گا۔ بلکہ زیادہ اہم یہ کہ ہمیں اس کے ساتھ دیکھنا ہو گا۔ کیونکہ معاملہ

سارا دیکھنے کا ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ یہ کیسا دیکھنا ہے۔ گو اس بیان میں ہمیں اختصار سے کام لینا ہو گا۔" 5

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

یہاں مصنف نے خود ایک ترکیب "اچٹتی منظر بینی" ایجاد کیا اور خود ہی اس کے بارے میں کہہ دیا کہ یہ بے ہنگم، خود ساختہ ترکیب ہے۔ اچٹتی کا مطلب ہے سرسری سی / ذرا سی، اور منظر بینی سے مراد ہے باہر کے مناظر دیکھنا۔ تو کیا یہ ترکیب سرسری مناظر دیکھنے ہی کے معنوں میں مستعمل ہے؟ مصنف کے نزدیک تو یہ یونہی ہے مگر راقم الحروف اسے "اچٹتی منظر بینی" کے بجائے مستقل منظر بینی سمجھتی ہے۔ کیونکہ ناول کا مرکزی کردار حسن رضا ظہیر روزانہ کی بنیاد پر ان مناظر کو سرسری دیکھتا ہے۔ لیکن یہاں مصنف کے جملے قاری کو حیرت زدہ کرتے ہیں جب مصنف یہ کہتے ہیں۔

"کوئی بھی شخص کسی ایک مقام سے دوسرے پر منتقل ہونے کے دوران اپنے

دائیں بائیں اور سامنے کی دنیا کو اسی انداز میں دیکھے گا۔ گویا "لاتعلقی" "اچٹتی

منظر بینی" کی بنیادی شرط ہے اور دنیا دیکھنے کی ہماری تربیت کا لازمی حصہ ہے۔" 6

یعنی دنیا میں آئے ہر شخص کی یہ تربیت لازمی ہے کہ وہ ان مناظر کو دیکھتا رہے گا۔ کیونکہ ان مناظر کو دیکھنے کی خواہش ہر انسان میں ازل سے موجود ہے۔ اور انسان کی گھٹی میں پڑا ہے کہ وہ ان مناظر کو دیکھتا رہے۔ یوں مصنف اپنے اسلوب کے ذریعے انسانی نفسیات کو ماہرانہ انداز میں پیش کرتا ہے۔

مصنف ناول حسن کی صورت حال۔ خالی۔ جگہیں۔ پر۔ کرو میں بیانیہ کے معلوماتی ٹکڑے حذف کر دیتا ہے تاکہ ایک مخصوص تاثر پیدا کر سکے۔ مثلاً بہت سی جگہوں پر کہانی ادھوری محسوس ہوتی ہے۔ کباڑیے کی دکان پر پروفیسر صفدر سلطان اور اس کا شاگرد سعید کمال موجود ہیں۔ مسودہ نہ ملنے کی خوشی میں سعید کمال کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ہے۔ اس چمک کی وضاحت ناول کے آخر میں ہوتی ہے جہاں مصنف بتاتا ہے کہ شاگرد سعید کمال نے خرد افروزی کے اسی مقالے پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لے لی ہے۔ حسن رضا ظہیر کے تین دنوں کی کہانی آخر میں ہے۔ جبار جمع کرنے والے کے بارے میں آخر تک پتا نہیں چلتا ہے۔ گول میز کا ذکر پہلے ہے جبکہ اس کی تفصیل آخر میں بیان کی گئی ہے۔ بابا بلیک شیپ کا ترجمہ کرنے والے بچے کے بارے میں آخر میں بتایا گیا ہے۔ معلومات حذف کرنا ایک ایسی تکنیک ہے جس کی مدد سے کہانی میں ایک مخصوص تاثر کو ابھارا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے بھی مرزا اطہر بیگ نے اپنے ناول کو منفرد بنانے کی کوشش کی ہے۔

مرزا اطہر بیگ نے کہانی پن کے روایتی اسلوب کے مقابلے میں بیانیہ اسلوب کے تجربے کو اہمیت دی ہے اور کہانی کو مختلف ٹکڑوں میں آگے پیچھے ماضی، حال، مستقبل میں پیش کیا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود ناول متنوع اسالیب کا حامل ہونے کے باوجود تفہیم کے قابل ہے۔ اس کے باوجود کہ مرزا اطہر بیگ نے استعاراتی اور رمزیاتی اسلوب بیان اختیار کیا ہے جس کی وجہ سے ناول کی کہانی میں کہیں کہیں ابہام بھی پیدا ہو گیا ہے۔ خاص طور پر دوسرا باب جو "حیرت کی ادارت" پر مبنی ہے اتنے ادق اسلوب میں لکھا گیا ہے کہ اسے سمجھنا تھوڑا مشکل ہے۔ شاید اسی لیے مصنف نے کہا جو قاری پیچیدہ مباحث کو نہیں سمجھ سکتے وہ اسے چھوڑ کر آگے بڑھ سکتے ہیں۔

کہانی پن کے روایتی اسلوب میں سیدھے سیدھے کسی ابہام میں جائے بغیر کہانی بیان کر دی جاتی ہے جبکہ مرزا اطہر بیگ نے جگہ جگہ اس روایت سے انحراف کرتے ہوئے اپنے اسلوب کو بدلا ہے اور کہانی کو تبدیل کیا ہے جس کی واضح مثال سرکس میں حسن کی کہانی ہے۔ سرکس میں حسن کی موجودگی کی ایک کہانی کو ڈرائیور نور خان اور رائیٹر سیفی کی زبانی بیان کیا گیا ہے لیکن دونوں کا اسلوب اور کہانی کہنے کا انداز الگ الگ ہے۔

اس کے علاوہ ناول حسن کی صورت حال۔ خالی۔ جگہیں۔ پر۔ کرو میں جس چیز نے ناول کے بیانیے میں شدت پیدا کی ہے وہ اساطیری حوالے ہیں۔ اساطیر پر اسرار صداقتیں ہیں جن کا اظہار ناول میں بہت اچھے طریقے سے کیا گیا ہے۔ خاص طور پر چاہ پریاں والا سے منسوب اساطیری کہانیاں، سورج مکھی کی اساطیری کہانی، سرکس میں دکھائی جانے والی ہیر رانجھا، سسی پنوں، لیلیٰ مجنوں کی کہانیاں ناول کے بیانیے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اگر یوں کہا جائے کہ ناول حسن کی صورت حال۔ خالی۔ جگہیں

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

۔پر۔کرو کا اسلوب داستان، کتھا، اساطیر، شاعری اور ثقافت سے مل کر بنا ہے۔ تو بے جانہ ہو گا۔ انھوں نے کرداروں اور واقعات کی تصویر کشی سے عصری مسائل اور عام طبقے کے مسائل کو پیش کیا ہے۔

مصنف نے سرکس کی منظر کشی عمدہ الفاظ میں کر کے ایک ایسے عہد کو پیش کیا ہے۔ جو اب ٹیکنالوجی کے جدید دور میں ختم ہو چکا ہے جب ہمارے یہاں تھیٹر کی روایت مضبوط تھی اور سرکس میلے، تماشے ہونا عام بات تھی اور لوگوں کی تفریح کا سامان بھی تھا۔ مرزا اطہر بیگ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے سرکس کے مختلف شو کے نام پیش کر کے اس سارے منظر نامے کی تصویر کشی کر دی ہے جب سرکس ہوتی تھی اور یہ شو بھی۔ اس طرح انھوں نے روایتی اسلوب میں جائے بغیر بھی پاکستانی ثقافت کی عمدہ عکاسی کی ہے۔ مرزا اطہر بیگ اگر ان کہانیوں کی تفصیل لکھنے بیٹھ جاتے تو یہ غیر ضروری ہو جاتی۔ اس لیے انھوں نے کچھ یوں لکھا ہے۔

"سوہنی نہیں تھی۔ وہ۔ پتہ ہے ناں۔۔۔۔ چندری جو اپنے عاشق کے

پٹ کا گوشت کھا گئی۔"7

"ہیر رانجھا۔ سسی پنوں۔ سوہنی مہینوال۔ لیلیٰ مجنوں۔ شیریں فرہاد۔ مرزا صاحباں۔ سلطانہ ڈاکو۔۔۔۔"8

"سسی پنوں کے سٹیج پر لگے دریا کے پردے کے پیچھے نومولود سسی ایک

ٹوکری میں ڈال کر "بہائی" جاتی ہے۔"9

"اباجی۔ یہ جو۔۔۔۔ ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال، لیلیٰ مجنوں تھیں۔۔ یہ بھی کنجریاں تھیں؟"10

مصنف نے صرف ان واقعات کی جانب اشارہ کیا ہے اور قاری چونکہ پہلے سے ان واقعات کو سمجھتا ہے۔ اس لیے مصنف کا اسلوب ان کی معنویت اجاگر کرنے میں کامیاب رہتا ہے۔ اس لیے کہ مصنف نے جتنے کردار پیش کیے ہیں۔ ان سب کرداروں کے ساتھ کوئی نہ کوئی کہانی ضرور وابستہ ہے۔ صرف ان کرداروں کا نام لینے سے ہی قاری کے ذہن میں پوری کہانی ذہن میں آجاتی ہے۔ مصنف نے یہ تکنیک استعمال کی ہے کہ بجائے پوری کہانی لکھنے کے صرف اشارہ کر دیا ہے اور قاری کے لیے راہ ہموار کر دی کہ وہ سب سمجھ لے۔ اس طرح مصنف ان کہانیوں کے ذریعے اپنے بیانیے میں بلاغت پیدا کرتا ہے۔

ناول نگار نے اپنے بیانیہ کو طویل کرنے کے لیے اپنے اسلوب سے ایک کارآمد آلے کی طرح کام لیا ہے۔ اگرچہ مصنف نے ناول کی کہانی میں کوئی منطقی ربط نہیں رکھا۔ لیکن اپنے بیانیے کی تشکیل کے لیے اسلوب کو بہت مربوط رکھا ہے۔ بعض جگہ جملے بے ربط بھی ہیں۔ جن کو پڑھ کر قاری کوئی فوری معنی نہیں نکال سکتا۔ بلکہ ان بے ربط جملوں کے مفاہیم کو سمجھنے کے لیے سارے متن کو پڑھنا پڑتا ہے۔ یا ان جملوں کو اتنی دفعہ پڑھا جاتا ہے کہ معنی کی کوئی ایک تہہ، کوئی ایک سرا ہاتھ لگے تاکہ اسے سمجھا جا سکے۔ مثلاً

"اور لگتا ہے یہ اندر بار سرئیلسٹ ہو گا۔ یہ سکرین پلے۔۔۔۔ میرے اس شک

کو دور کرنے لگا تھا کہ اس پاگل تماشے میں میرا کوئی مقام نہیں۔ پھر انیلا جیسی عورت

کے ساتھ مل کر ایک فینٹسی۔۔۔ چلو سرئیلزم کہہ لو۔۔ خیر اس عورت سے مل کے

تحریر کرنا۔ فلم۔ شاید۔ خیر مجھے لگ رہا تھا کہ میں۔۔۔۔۔ جیسے ہم مل کے بچہ پیدا کر

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

رہے ہیں۔"11

"ایک ہی علاج ہے سر عام پھانسیاں۔۔۔۔۔۔۔۔دوان بہن چودوں کو۔۔۔۔۔

چوراہے میں پھانسیاں۔۔۔۔۔۔دیکھتا ہوں باقی سیدھے ہوتے ہیں کہ نہیں۔۔۔۔

سیدھے ٹک۔۔۔۔۔گولی چلے گی۔۔۔۔۔ابھی تو چلے گی۔۔۔کوئی نئی بات نہیں ہے۔۔

ہر دوسرے۔تیسرے۔چوتھے۔پانچویں سال چلتی ہے۔ابھی تو اس نے چلوائی

ہے۔۔۔ڈپٹی نے۔۔۔ظالم کے بچے نے۔۔۔اوہ کوئی ایک آدھ گولی یہ

خود بھی ٹھنڈی کرے کہیں۔۔۔۔او۔او۔کسی ایک آدھ پر۔۔۔اس کی

بھی لکھی ہوئی ہو۔۔۔۔گولی پر۔۔۔۔ٹھنڈی کرے یہ بھی۔۔۔۔۔۔

کوئی۔۔۔۔یہ دلا۔۔۔۔۔۔۔"12

یہ سبھی جملے منطقی ربط نہ رکھنے کے کے باوجود قابل فہم ہیں۔البتہ ان جملوں کے درمیان علامت حذف کا استعمال اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ ان جملوں کی معنویت میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مصنف نے ناول کو حقیقت سے قریب رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور سبھی کرداروں کو زندگی اور حقیقت سے بھرپور دکھایا ہے۔

ناول حسن کی صورت حال۔خالی۔جگہیں۔پر۔کرو میں مرزا اطہر بیگ نے اپنا اسلوب تراشنے کی کوشش کی ہے اور اسلوبیاتی حوالے سے نیا تجربہ کیا ہے۔یعنی اردو، فرنچ ،پنجابی اور انگریزی زبانوں کا استعمال کیا ہے۔اور بعض جگہوں پر لفظوں کا ترجمہ بھی کر دیا ہے۔

D'aprese un scenario

De Salvador dali

Et louis Bunel

"چیف میں فرنچ نہیں جانتا لیکن اس کا مطلب یہی ہے نا کہ سناریو

سیلوے ڈار ڈالی اور لوئی بیونل۔"13

"But that wonderful سیفی۔۔۔۔یہ بات Excellent یہ

امیج بالکل۔۔۔۔یہ ٹیم ورک ہے۔۔۔۔۔۔یہ مجھے چاہیے۔"14

"Fantastic (شاندار), Unbelieveable, Incredible

(انوکھا)Amazing(جادوئی)،Magical(ناقابل یقین)،

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.3 No.3 2020

(حیرت انگیز)Astonishing حیرت ناک ہاں یہ بھی ہے۔

Awsome, Marvelous, stunning, Astounding"(15)

خاص طور پر بابا بلیک شیپ پوری نظم کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ اگر چہ یہ چیز کہانی کی روانی میں رکاوٹ بنتی ہے لیکن مصنف نے اس طرح ایک نیا اسلوب متعارف کروانے کی کوشش کی ہے۔

"با۔ باکالی بھیڑ

کیا تیرے پاس کچھ اون ہے

جی جناب۔ جی جناب

تین تھیلے بھرے پڑے ہیں

ایک مالک کے لیے ایک مالکن کے لیے

اور ایک اس چھوٹے لڑکے کے لیے

جو آگے کہیں گلی میں رہتا ہے۔"16

پنجابی الفاظ بکسوئے، کھوتا وغیرہ وغیرہ بھی ناول میں عام ملتے ہیں اس کے علاوہ جب حسن دیہات سے گزرتے ہوئے بابا بلیک شیپ والے مترجم بچے کو دیکھتا ہے تب وہ دیہاتی آدمی جو زبان استعمال کرتے ہیں ان پر بھی پنجابی کا گہرا اثر ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مصنف نے لاہور شہر کو ناول میں بیان کیا ہے اور یہاں کی مقامی زبان پنجابی ہی ہے اس لیے ان کرداروں کی زبان میں پنجابی الفاظ آ گئے ہیں۔ مثال کے طور پر

"اوپر کا پروہٹا پرت کر اندر دیکھو۔" 17

اس کے علاوہ مصنف نے اپنے بیانیے کو پیش کرنے کے لیے اسلوب کو بہت منفرد رکھا ہے۔ اور کئی نئی اصطلاحیں بھی وضع کی ہیں۔ انھوں نے تراکیب میں نئی جدت بھی پیدا کی ہے۔ مثلاً "اچٹتی منظر بینی"، "اٹکتے خوف کے خالی لمحات"، "بصری لاتعلقی"، "حقیقی ذاتی زندگی"، "منتشر تفصیل نگاری"، "مثالی حقیقی صدمہ"، "حیرانیہ"، "حیرانیاتی"، " حیرانیے"، "کہانیے"، "کہانیہ"، "خواندگی واہمہ"، " خوابآ"، "خالیائی"، "سورج مکھی کے کھیت سے نکلا ہوا انسان"، "خارشی خرد افروزی"، "خارشی ٹیکنالوجی"، "فلمی / غیر فلمی تکنیک یعنی حقیقت کا کچومر یعنی مونتاژ کا کولاژ"، " مردوں کی سیانی"، "بھاپی کہانی"، "بے شرمی کا پیپر ویٹ"، "بھوت مصنف" وغیرہ۔ اور بعض جگہوں پر ان کی تفصیل بھی مہیا کی ہے۔ مثلاً

"حسن کی صورت حال سمجھنے کے لیے "حیرانیہ" ایک موزوں ترین لفظ ہے۔ حیرانیہ

بنیادی طور پر حسن کے بصری میدان (Visual Field) میں اچانک ظاہر ہونے والا

وقوفی خلا (Cognitive void) ہے۔ ایک خالی جگہ جو ایک طرف تحیر کا نقطہ آغاز

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.3 No.3 2020

ہے تو دوسری طرف ایک حسیاتی، عصباتی، کیمیاوی مسودہ۔18

"اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ حسن کا صدمہ ایک "مثالی حقیقی صدمہ" تھا

کیونکہ "مثالی حقیقی صدمہ" ایسا صدمہ ہے جسے آپ اپنے سے ایک فرد

بھی آگے نہ لے جا سکیں۔"19

اس کے علاوہ مصنف نے بعض جگہوں پر نئے محاورات کی تشکیل بھی کی ہے۔ مثال کے طور پر

"اس لیے کہ چیزوں کی بھی آنکھیں ہوتی ہیں، مناظر جواباً آپ کو

گھورتے ہیں، چوک آپ پر تیوری چڑھاتے ہیں، گلیوں کی نکڑیں

آپ پر ہنستی ہیں اور کھڑکیاں آنکھیں مارتی ہیں۔"20

"چیزوں کی آنکھیں"، "مناظر کا گھورنا"، "چوک کا تیوری چڑھانا"، "گلیوں کی نکڑوں کا ہنسنا"، "کھڑکیوں کا آنکھیں مارنا"، "قہقہوں کا دم توڑنا" اور اس جیسے کئی نئے محاورے مرزا اطہر بیگ کے اسلوب کو دوسرے مصنفین سے الگ کرتے ہیں۔

مصنف نے مختلف جگہوں پر اپنی قوم کا موازنہ دوسری اقوام سے بھی کیا ہے۔ مصنف نے اپنے اسلوب کے ذریعے ظاہر کیا ہے کہ اپنی قوم کے متعلق ان کے نظریات کیا ہیں؟ نیز مشرق و مغرب کے بارے میں مصنف کا بیانیہ کھل کے سامنے آجاتا ہے۔

"یہ تو دیکھو کہ تمھاری قوم دنیا میں سب سے دلچسپی سے بلکہ حیرانی سے گورے بندے

کو دیکھنے والی قوم ہے۔ حالانکہ گورا ادھر تین سو سال تم پر حکومت کر کے گیا ہے۔" 21

"مہذب اور غیر مہذب معاشروں میں شیمپئن اور گلاب جامن کا فرق ہوتا ہے"۔22

اسی طرح مصنف نے ایک ناول کے چوتھے باب میں "عظیم نجات دہندہ" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یہاں انھوں نے واضح طور پر کسی حکمران کا نام نہیں لیا۔ بس یہ بتا دیا گیا کہ ایک حکمران آنے کی خوشی میں مٹھائی بانٹی جا رہی ہے۔ چنانچہ قاری ایک لمحے کے لیے سوچتا ہے کہ وہ "عظیم نجات دہندہ" کون ہو گا؟ راقم الحروف کے نزدیک یہ اصطلاح ماضی کے صدر ضیاء الحق کے لیے استعمال کی گئی ہے اس لیے کہ ایک تو خود مصنف نے اس ناول کا دورانیہ کا آغاز 1980ء سے بتایا ہے اور یہی دور صدر ضیاء الحق کی حکومت کا ہے۔ دوسری یہ بات کہ باوجود کسی حکمران کا نام نہ لینے کے کچھ جملے ایسے ہیں جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر

" اب مارکسی کمیونسٹ تھیٹر بند ہونے والا ہے۔" 23

"ان کو روکو ورنہ داڑھیاں آجائیں گی۔" 24

"ڈانس۔۔ او۔ نو۔ نو ڈانس۔ رقص و موسیقی۔۔۔ یہی کہتے ہو نا۔۔ اس نام

سے تو وہ ایسے بدکتے ہیں نا کہ کیا بتاؤں۔" 25

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.3 No.3 2020

"ہم تمھاری یہ بدمعاشیاں۔ یہ ننگے تماشے۔ رنڈی خانے بند کریں گے۔
تم نئے کھولنا چاہتے ہو۔ یہ سومنات ہم تہہ تیغ کر دیں گے۔ یہ کیسٹیں یہ
سی ڈیاں ہم راکھ کر دیں گے۔ فلمیں گانے بجانے۔ ناچ سب بند کر دیں
گے۔" 26

"وہ کہتے ہیں یہ سب کنجر خانہ بند کرو۔ کلچر کے نام پر بدمعاشی اور بدکاری
نہیں پھیلنے دیں گے۔" 27

"ویسے میں تمھیں بتادوں۔۔۔ تم فلموں والوں ہونا۔۔۔ یہ سارے بدمعاشی
کھاتے۔۔۔ زانی دھندے ہیں۔ سال دو سال کی بات ہے۔ سب بند ہو جائیں
گے۔۔۔ وہ سب بند کر دیں گے۔۔۔۔ وہ جنھیں نیکی، بدی کا پتا ہے۔ جن کے
اندر حیا ہے۔ غیرت ہے۔ عالی جاہ کہتے ہیں یہ سب کچھ پاک کرنا پڑے گا۔ سب
کچھ۔۔ سب ننگے کام۔۔ بند ہوں گے۔۔ زنا کے سب چور دروازے بند ہوں گے۔" 28

بعض جگہوں پر مصنف نے سماجی اعتبار سے ناموزوں اور ناشائستہ الفاظ یعنی گالیوں کا استعمال بھی کیا ہے۔ اس لیے کہ مصنف نے ناول کو حقیقت سے قریب رکھنے کی کوشش کی ہے اور کرداروں کی وہی زبان رکھی ہے جو اصل میں مختلف طبقے کے لوگ بولتے ہیں۔ اس لیے مصنف کا اسلوب حقیقت کے قریب ترین ہے۔ مثلاً

"میرا یہ لکڑی سٹیل کا کھڑا مبا دیکھ رہا ہے۔ یہ بہن چود بھی بڑا عجیب ہے۔" 29

"چھوٹی کرسی پر بیٹھوں تو باقی ٹانگ کی ماں چد جاتی ہے۔" 30

"یہ شوخا تیرا باس پہلے تو بڑا تڑک رہا تھا اب تیرے اس گانڈے سیٹھ کو ساتھ لے کر بیٹھ گیا ہے۔ 31

"بند کرا کے تو دیکھ گانڈے۔۔ بالی بڑبڑایا"۔ 32

صرف ایسی زبان ہی نہیں بلکہ مرزا اطہر بیگ کے طنزیہ جملوں نے بھی کہانی میں ایک نیا پن پیدا ہے۔ مثلاً

"لیکن ان میں ایسے بھی تھے جو پیارا کو دیکھ کر گھوڑی اور سواری
کے حوالے سے گندے گندے فقرے کستے تھے۔ ہمیشہ ایسا
ہی ہوتا تھا اور ہمیشہ ہی پیارے کا دل چاہتا تھا وہ ایسے گندے
لوگوں کا سر پھاڑ دے۔" 33

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

محبت ایک آدم خوری بھی ہے۔ مجھے گھسیٹ لینے دو انیلا پری۔""34

مرزا اطہر بیگ کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے بیانیے میں شدت پیدا کرنے کے لیے چھوٹی چھوٹی جزئیات کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ یہ خوبی انھیں دوسرے ادیبوں اور ناول نگاروں سے منفرد بناتی ہے اس لیے کہ اکثر ادیب غیر معمولی اور اہم چیزوں کی تفصیلات پیش کر کے اپنے تصورات واضح کرتے ہیں۔ لیکن مرزا اطہر بیگ نے غیر ضروری کو ضروری پر اور غیر معمولی پر ترجیح دی ہے۔ مثلاً جزئیات نگاری کی امثال ملاحظہ کیجیے۔

"تنگ گلی نما رستے کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ جھکی ہوئی شاخیں۔ ایک بیل کی لمبی شاخ
جس پر گہرے سرخ رنگ کے پھول۔ نرسری کی بیرونی دیوار پانچ فٹ سے زیادہ اونچی
نہیں۔ لیکن مضبوط بنی ہوئی ہے۔ دوسری طرف کباڑیے کی دکان کے کھلے احاطے کی
بیرونی دیوار نسبتاً اونچی ہے لیکن بوسیدہ ہے۔ نمی اور روشنی کی کمی کی وجہ سے دونوں طرف
کی دیواروں پر سبز کائی جمی ہے۔ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ راستہ پختہ ہے یا کچا۔ کیونکہ زمین
پر جگہ جگہ ٹوٹے ہوئے گملوں کے ٹکڑے اور خشک پتے ٹہنیاں۔ کٹے پھٹے کاغذ اور گتے
کے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہیں۔ اس تنگ گلی میں بائیں طرف کباڑیے کے احاطے کی
دیوار میں ایک جگہ زمین سے چھ سات انچ اوپر ایک مستطیل خلا ہے جس کے بارے میں
فوری اندازہ لگانا مشکل ہے کہ یہ کوئی دروازہ ہے یا کھڑکی۔"35

اس اقتباس میں نرسری کی منظر کشی اس کی جزئیات سمیت کی گئی ہے۔

"چوک خداداد۔ روشن چمکیلی دھوپ اور نیلا آسمان۔ چوک نما پارک میں
اِدھر اُدھر پتھر کے بینچوں پر لوگ۔ عورتیں۔ مرد۔ بچے۔ بوڑھے۔
بے فکرے۔ سنگین مسائل کے شکار نوجوان۔ ہنستے کھیلتے بچے۔ گھاس
پر چادر اوڑھ کر سوئے نشئی، دال سیویاں بیچنے والے کی ترازو جیسی
ٹوکریاں۔ وہی چائے کا چھوٹا سا سٹال۔ لکڑی کے دو سٹولوں پر بیٹھے
گاہک، ابلتی چائے سے اٹھتی بھاپ، سبز گھاس میں پھولوں کی کیاری،
پھولوں میں سورج مکھی، اخبار بیچنے والا لڑکا۔۔"36

Vol.3 No.3 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

یہ جزئیات نہ صرف ایک پارک کی تفصیلات فراہم کرتی ہیں۔ بلکہ ایک مخصوص غریب طبقے کی ساری زندگی کی کہانی کو بھی پیش کرتی ہیں۔ مرزااطہر بیگ نے نہ صرف اس طبقے کی عکاسی کی ہے بلکہ ان کی جنسی محرومیوں کو بھی اپنے ناول کے بیانیے میں شامل رکھا ہے۔

"دنیا میں چوری چھپے مزے لینے والی یہ سب سے بڑی قوم ہے۔

دل میں اللہ کا خوف۔ اللہ اللہ۔ لیکن آنکھوں میں نیچے کہیں ٹانگوں

کے درمیان سے اٹھتی ہوئی ہوس اور کھوپڑی میں یہ سب کچھ ساتھ

ساتھ لے کر چلتے رہنے کی کوئی نہ کوئی ترکیب۔ صدیوں سے ان کی

کھوپڑی بس یہی کام کر رہی ہے۔ ترکیبیں ڈھونڈ رہی ہے لیکن مزا

بھی ضرور لینا ہے۔ گناہ سے بھی بچنا ہے۔"37

"پہلے یہ آج کا شو کی ہیر و ئینیں۔۔۔ سسی، ہیر، بے بی، سوہنی کو تو

پہنچاؤنا اوپر میرے کمرے میں۔۔۔ بڑا دیر ہو گئی ہے پنوں رانجھا مہینوال

بنے۔"38

"یہ کنجر لوگ ہیں، ان کا کام ہی یہ ہے۔ بس عملہ ذرا شغل میلہ کر رہا ہے۔" 39

مصنف نے اپنے بیانیے میں فلم میکنگ کی تکنیک، خاص طور پر سرئیلزم اور اس کی پوری تاریخ کو شامل کر کے ناول کو نئی جہت عطا کی ہے۔ اس طرح ناول کی زیادہ تر کہانی فلمی مناظر کی صورت میں آگے بڑھتی ہے۔ دراصل اندرون ناول ایک فلم "یہ فلم نہیں بن سکتی" بن رہی ہے۔ یوں منفرد عنوان کے ساتھ یہ فلم بننے اور نہ بننے کے درمیان جھولتی رہتی ہے۔ اس طرح بار بار مناظر کا بدلنا اور فلمی سین کی وجہ سے کہانی میں رکاوٹ تو بنتی ہے لیکن مرزااطہر بیگ کی خوبی یہ ہے کہ وہ ناول کو بہت سلیقے سے مکمل کرتے ہیں۔

ناول حسن کی صورت حال۔ خالی۔ جگہیں۔ پر۔ کر و میں صورت حال کو بلیغ اشاریے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ صورت حال صرف حسن کی نہیں بلکہ باقی کرداروں اور چیزوں کی بھی ہے اور یہ صورت حال ہم سب انسانوں کی بھی ہے۔

مرزااطہر بیگ نے ناول نگاری کو اپنے منفرد اسلوب کی بنا پر بہت بلند کر دیا ہے۔ انھوں نے موضوع اور ماحول کی مناسبت سے زبان کو بہت سہل اور عام بول چال کے قریب رکھا ہے۔ مرزااطہر بیگ نے اسلوب میں نئی نئی تراکیب متعارف کروانے کے ساتھ ساتھ علامت حذف کا بھی بے تحاشا استعمال کیا ہے۔ استعاراتی اور رمزیاتی زبان استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ صنعتوں مثلاً تلمیح اساطیری حوالے وغیرہ استعمال کیے ہیں۔ مرزااطہر بیگ نے علمی و فلسفیانہ زبان کا استعمال کرنے کے بجائے عام بول چال کی زبان استعمال کی ہے البتہ ان کے ہاں نثری بیانیے سے زیادہ مکالماتی انداز بیان ملتا ہے۔ کہانی بیان کرنے کا روایتی انداز، کرداروں کی تشکیل، وقت اور مقام کے حصار کو توڑنا، چیزوں کو بطور کردار پیش کرنا، چیزوں کی اپنی کہانیاں پیش کرنا، سماجی اور معاشی قدروں پر منفرد انداز میں بات کرنا۔ پاکستان میں موجود طبقاتی کش مکش کا منظر نامہ، نئی نئی تراکیب کا استعمال۔ یہ وہ چند خوبیاں ہیں جو مرزا صاحب کی تحریروں کا خاصہ ہیں اور جن سے ان کے بیانیے کو تقویت ملتی ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.3 No.3 2020

حوالہ جات

16۔ مرزااطہر بیگ، حسن کی صورت حال۔ خالی۔ جگہیں۔ پر۔ کرو، 2015، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ص27

17۔ ایضاً، ص13

18۔ ایضاً، ص32

19۔ ایضاً، ص9

20۔ ایضاً، ص9

21 ۔ ایضاً، ص10

22۔ ایضاً، ص458

23۔ ایضاً، ص446

24۔ ایضاً، ص444

25۔ ایضاً، ص87

26۔ ایضاً، ص163

27۔ ایضاً، ص81

28۔ ایضاً، ص257

29۔ ایضاً، ص119

30۔ ایضاً، ص217

31۔ ایضاً، ص386

32۔ ایضاً، ص178

33۔ ایضاً، ص386

34۔ ایضاً، ص17

35۔ ایضاً، ص12

36۔ ایضاً، ص478

37۔ ایضاً، ص118

38۔ ایضاً، ص226

39۔ ایضاً، ص228

40۔ ایضاً، ص301

41۔ ایضاً، ص311

42۔ ایضاً، ص413

43۔ ایضاً، ص512

44۔ ایضاً، ص243

45۔ ایضاً، ص243

46۔ ایضاً، ص243

47۔ ایضاً، ص257

48۔ ایضاً، ص91

49۔ ایضاً، ص217

50۔ ایضاً، ص137

51۔ ایضاً، ص232

52۔ ایضاً۔ ص108

53۔ ایضاً، ص432

54۔ ایضاً، ص512